نظام انصاف کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

Consideration of human psychology in the Qur'anic rules regarding parental rights

UMER SHAHID
PhD Scholar, Department Of Islamic Studies, University Of Lahore
shahid.umer2005@gmail.com
Pro. Dr. NAWAZ HASSANI
Pro. Department Of Islamic Studies, University Of Lahore

ABSTRACT

Islam is the religion of nature. Whether nature is related to man or the universe, the image of beauty and balance and proportion and moderation is very clear and prominent in it. Justice is a prominent attribute among the attributes of God, which is manifested in all the manifestations of life and creation. The various creatures and phenomena of this universe exist and are maintained due to nature of justice. Since man is the highest of creations, he has the greatest need to understand and accept justice. The aspect of justice is prominent in the invitation of the Prophets. In this world of colors and smells, which have been given to man with the powers and powers of discernment and will, justice requires that the ranks of this universe be wrapped up and a day be established where the judgment of human actions will be judged with justice.

The concept of justice in Islamic Sharia consists of two components. One is that balance and proportion should be established in various rights and privileges among mankind. Others are that everyone should be given their rights and their rights should be ensured. Without this concept of justice, an individual or a society or a state faces fatal and serious consequences.

Justice is very important in human life. Justice is the lifeblood of society. If justice goes out of life, then human life becomes hell. Everyone should be given their designated place and respect in the home, relatives and society. Parents, close relatives, neighbors, teachers, weak people of the society and the poor, the young, the rights of all are defined in Sharia and social traditions. Social justice is about giving everyone their rights.

Keywords: Islam, Justice, Society.

جرم کی تعریف:

اسلام کی نظر میں جرم وہ ممنوعات شرعیہ ہیں جن کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو باز رہنے کا حکم دیا ہے اور ان میں سے بعض کے ارتکاب پر حد جاری کی جاتی ہے اور بعض کے ارتکاب پر تعزیر کی جاتی ہے اور بعض کے ارتکاب پر قصاص لیا جاتا ہے۔ حد کا پیمانہ اور اس کے قواعد وضوابط مقرر ہیں جبکہ تعزیر میں حاکم یا قاضی کی صوابدید کو بھی دخل حاصل ہے۔[1]

جرم کا وسیع تصور:

جرائم کی یہ فقہی تعریف ہے اسلام نے جرم وسزا کا جو تصور دیا ہے وہ بہت وسیع ہے۔ اس میں ہر وہ بات داخل ہے جس میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی گئی ہو خواہ وہ حکم معمولی ہو یا غیر معمولی۔ ایمان اور عقیدہ سے متعلق ہو یا حقوق ومعاملات سے متعلق۔

﴿إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى () وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى﴾[2]

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص مجرم بن کر اپنے رب کے حضور آئے گا اس کیلئے جہنم ہے، جس میں وہ نہ جیے گا نہ مرے گا اور جو شخص اس کے حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا اور اس نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا

﴿لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾[3]

اب عذرات نہ تراشو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

---

(1) محمود، سید قاسم، (س-ن)، مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ص616

(2) سورۃ طٰہٰ:75-74/20

(3) سورۃ التوبہ:66/9

نیت کی قانونی وشرعی حیثیت:

اسلام ایک دین بھی ہے اور ایک قانون بھی ہے۔ یہ اپنے احکام میں دین ہے لیکن انسانی تعلقات اور ریاست کے انتظام و انصرام میں قانون ہے۔ دین ہونے کے لحاظ سے شریعت تمام افعال ظاہری و باطنی حتیٰ کہ نیت وارادہ کے صحیح وغلط ہونے پر لگاتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص پر کسی اخلاقی عدالت میں نیت وارادے کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا اگر اس نے اپنے عمل سے خیر کا ارادہ کیا ہے تو اس کا فیصلہ بھی اس کے مطابق ہوگا اور اگر اس نے شر کا ارادہ کیا ہے تو اس کے شر کے مطابق فیصلہ سنایا جائے گا۔ یہ اصول اخروی سزا اور جزا میں بھی مسلم ہے۔ اسلامی شریعت میں جن جرائم پر سزا مقرر ہے ان کے اثرات براہِ راست سماجی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں تاکہ معاشرہ امن وچین سے رہے خلفشار کا شکار نہ ہو۔

مصلحت عام اور شریعت:

شریعت کے جملہ احکام مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہے چنانچہ ہر وہ کام جس کو کرنے کا حکم دیا گیا اس میں بھلائی مضمر ہے اور ہر وہ کام جس سے روکا گیا میں ضرر پنہاں ہے۔ چنانچہ اسلام میں کسی فعل کے جرم بننے کے سبب ان مصالح پر دست درازی ہے جو انسانوں کی بقاکیلئے ضروری ہیں وہ مصالح بنیادی طور پر پانچ ہیں۔(۱)ایمان وعقیدہ(۲)جان(۳)عزت وآبرو(۴)مال(۵)عقل

ایمان وعقیدہ کا تحفظ:

دین کے نزدیک انسان کی زندگی کا صحت مندانہ تصور ایمان وعقیدے کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا وہ عناصر جو ایمان وعقیدہ میں خلل ڈالنے کا باعث ہوں یا وہ خود اپنے ایمان وعقیدہ سے دست بردار ہو جائیں شریعت کی نگاہ میں قابل سزا مجرم تصور کیے جائیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہی میں مبتلا کریں گے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے حق میں شریعت اسلامیہ سنگین سزا مقرر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ

كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[1]

اے نبی! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنا کیا ہے؟ کہہ دیجئے! اس میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ خونریزی سے بھی زیادہ برا ہے وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر دیں۔ تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔

جان کا تحفظ:

اسلام میں ایک آدمی کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کا مترادف قرار دیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہی ہیں کہ جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے وہ صرف ایک فرد پر ہی ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ ایسے ہی ہے جیسے پوری انسانیت کا قتل اس نے کیا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾[2]

اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس کسی نے سوا اس حالت کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو کسی جان کو قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی کی زندگی بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دی۔

(1) سورۃ البقرہ: 217/2

(2) سورۃ المائدہ: 32/5

انسانی جان کی صرف یہی قدر و قیمت نہیں ہے کہ اس سے دنیا کی آبادی ہے بلکہ کرہ ارض پر انسان کا وجود قدرت کا انمول تحفہ ہے اس لیے اس کی حفاظت ہونی چاہیے۔ اسلام میں خودکشی اسی لیے حرام ہے کہ اللہ کی گرانقدر نعمت حاصل کرنے کے بعد خود انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی جان سے دست بردار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا () وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴾ (1)

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے یہ اللہ کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (2)

ہم نے ان پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کا برابر بدلہ

عزت و آبرو کا تحفظ یعنی تحفظ نسل:

عزت و آبرو کی حفاظت نوع انسانی کی حفاظت ہے چنانچہ اسلام میں رشتہ ازدواج سے باہر جنسی تعلقات کا قائم کرنا حرام ہے اور اس کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(1) سورۃ النساء: 4/29-30

(2) سورۃ المائدہ: 5/45

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (1)

زنا کے قریب نہ بھٹکو وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بہت بری راہ ہے۔

اسلامی شریعت میں نہ صرف کسی کی عزت و آبرو پر دست درازی کرنا جرم ہے بلکہ کسی کی عزت پر تہمت لگانا بھی جرم ہے۔اس لیے الزام تراشی کی سزا مقرر کی گئی ہے۔تاکہ دونوں اعتبار سے لوگوں کی عزت محفوظ رہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (2)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں اور اگر وہ چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں ۸۰ (اسی) کوڑے مارے جائیں اور ان کی گواہی ہمیشہ کیلئے ناقابل اعتبار سمجھی جائے۔

مال کا تحفظ:

مال افراد کی زندگی کا ذریعہ اور معاشرے کی قوت واستحکام کا باعث ہے مال کے ذریعے آدمی اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے اور معاشرے کو خوشحال بناتا ہے۔مال نہ ہو تو وہ افلاس اور غربت کا شکار ہو جائے۔اس لیے لازم ہے کہ جس کے مال ہو وہ چوری، غصب، ڈاکہ زنی سے محفوظ ہو۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (3)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کوئی مال باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے حاصل ہو جائے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(1)سورۃ بنی اسرائیل:32/17

(2)سورۃ النور:4/24

(3)سورۃ النساء:31/4

من اشتریٰ سرقة وهو یعلم انها سرقة فقد شرک فی عارها واثمها[1]

جس نے چوری کامال خریدا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کامال ہے وہ اس کے گناہ میں اور برائی میں شریک ہوا۔

عقل کا تحفظ:

عقل کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسی چیزوں سے بچایا جائے جو اس کے فتور کا باعث ہوں اسے آفتوں میں مبتلا کر دینے والی ہوں اور جن کے لاحق ہونے سے آدمی شر اور اذیت کا سامان پیدا کرلے چنانچہ شریعت میں شراب اور نشہ آور اشیاء اسی لیے حرام ہیں اور قابل سزا ہیں کہ معاشرہ اس لعنت سے پاک ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ () إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾[2]

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو یہ شراب اور جواء اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے۔

اسلام کا تصورِ جرم:

جرم وہ غیر قانونی کام ہے جس کی شریعت نے حدود یا تعزیرات کے ذریعہ سے سزا مقرر کی ہے اور مسلم سکالرز نے متفقہ طور پر اس کی وضاحت کی ہے۔

الجرائم محظورات شرعیه زجرالله عنها بمراد بحیداوتعزیر[3]

(1)سیوطی، جلال الدین،(1414ھ)، فیض القدیر شرح جامع الصغیر للمناوی، دار الکتب بیروت، ج6، ص64

(2)سورۃ المائدہ:5/90-91

(3)الماوردی، ابوالحسن،(1413ھ)، الاحکام السلطانیہ، دار التراث العربی، بیروت، ص219

غیر قانونی کا جن کی سزا بالواسطہ یابلاواسطہ طور پر اللہ نے مقرر کردی حدود تعزیر کی صورت میں۔

اس لیے جرم دونوں طرح سے سرزد ہو سکتا ہے۔(١) جس کام سے منع کیا گیا ہو اس کو کرنا۔(٢) جس کام کو کرنے کا کہا گیا ہو اس کو نہ کرنا۔ عبدالقادر عودہ نے جرائم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

هي فعل اوترک نصت الشريعه على تحريمه و العقاب عليه(1)

کسی فعل یا ترک فعل کا نام جرم ہے جس کو شریعت نے منع کرر کھا ہے جو اس کی سزا مقرر کرر کھی ہو۔

اس تعریف کے مطابق جرم کے تین عناصر بنتے ہیں: کسی فعل کا کرنا یا نہ کرنا

شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہے

جس کی سزا مقرر ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے جرم شرعی احکامات کی خلاف ورزی کا نام ہے۔آیا کہ یہ خلاف ورزی قرآن، حدیث یا اجماع قطعی کی خلاف ورزی ہو اور اگر یہ خلاف ورزی ریاستی اداروں کی طرف سے بنائے گئے قوانین کی ہو۔جو شرعی اصولوں کو سامنے رکھ کر بنائے گئے ہوں تو بھی اس کو اطلاق خلاف ورزی کہا جائے گا اور اسے بھی قرآنی احکام کی خلاف ورزی تصور کیا جائے گا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (2)

اس لیے وہ تمام ضابطے قاعدے جو اسلامی ریاست میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بنائے جائیں ان کی خلاف ورزی بھی جرم کے زمرے میں آئے گی کیونکہ یہ بھی شریعت کے احکامات کی بالواسطہ خلاف ورزی ہے۔کیونکہ اس طرح کی خرابیاں قانونی نظام میں خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

بہت سے ایسے امور ہیں جو تکنیکی طور پر جرم کے زمرے میں آتے ہیں لیکن ان کو شدید جرم نہیں سمجھا جاتا۔ جیسے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی یا تعمیراتی قوانین کی خلاف ورزی یہ جرائم کی اصل تعریف میں نہیں آتے۔

(1) عودہ، عبدالقادر، (1321ھ)، التشریع الجنائی، دار الکاتب العربی بیروت، ج1، ص66

(2) سورۃ النساء: 4/4

اسلام کے نظام قانون کے مطابق پانچ قسم کی اقدار کا حال میں دفاع لازم ہے۔(۱) مذہب (ایمان ویقین)(۲) زندگی (۳) عزت وعفت (۴) عقل وشعور (۵) جائیداد

یہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں اور انہیں خصوصیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان تہذیبی زندگی کے کہیں مقام پر فائز ہو چکا ہے۔ انہی اقدار کی آزادی اور بلندی سے کسی معاشرے یا فرد کی جذباتی یا روحانی ترقی کا پتہ چلتا ہے اسلام آزادی و مساوات کا مذہب ہونے کی حیثیت سے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان اقدار کی بلندی کا خواہاں ہے اور جب بھی کسی شخص کی مندرجہ بالا بنیادی اقدار پر چوٹ پڑتی ہے تو اسلام کا نظام قانون حرکت میں آجاتا ہے اور اس کو جرم تصور کیا جاتا ہے اور اسلام کا تمام تعزیری نظام انہی بنیادوں کے گرد گھومتا ہے۔

پہلی شرط قانونی بحث ہے جو شریعت سے متعلق جو کسی فعل یا ترک فعل سے منع کرتی ہوا گر کوئی مخصوص قانونی ہدایت نہ ہو تو جرم بھی وقوع پذیر نہیں ہوتا۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (1)

ہم سزا نہیں دیں گے جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں۔

سزا کا تعین:

دوسری شرط سزا کا تصور ہے صرف قانونی بحث کے ذریعے سے کسی فرد کو بجرم نہیں گردانا جا سکتا اور نہ ہی اس کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اس لیے فقہی اعتبار سے (قانونی بحث کے ساتھ) سزا کا تعین بہت ضروری ہے خواہ یہ تعین شدہ سزا ہو یا صوابدیدی اختیارات کے ساتھ ہو ان دو

شرائط کی بنیاد قرآن کریم آیات ہیں۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (2)

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ (1)

---

(1)الاسراء:15/17

(2) الاسراء:15/17

مسلمان فقہائے ان احکامات سے قانونی نکتے اخذ کیے۔

جريمة ولا عقوبة بلانص[(2)]

قانونی حکم کے بغیر کوئی سزا نہیں۔

اسلام کے نظام و جرم و سزا کا یہ بنیادی اصول ہے کہ قانونی احکامات کے بغیر نہ تو کوئی جرم جرم کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی سزا دی جاسکتی ہے جب تک کہ سزا کا تعین نہ کر دیا گیا ہو وہ سزا حدود کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور تعزیر کی شکل میں بھی۔

قانون کا نفاذ:

تیسری شرط یہ ہے کہ کسی غیر قانونی فعل یا ترک فعل کی اس کے ارتکاب سے قبل یا پھر بوقت ارتکاب روک تھام کی جائے کوئی بھی جرم جرم تصور نہیں ہو گا جب کہ وہ اس وقت کیا گیا جب وہ جرم قرار ہی نہیں دیا گیا تھا لہٰذا اس کو سزا نہیں دی جاسکتی اور اسے ہر طرح کی قانونی کاروائی سے استثنیٰ حاصل ہے۔

﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾[(3)]

مسلمان فقہاء نے نظام جرم وانصاف کے لیے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔

پہلا قانونی اصول:

قانونی نفاذ کے بغیر کسی بھی عاقل بالغ شخص کا کوئی بھی فعل جرم کے زمرے میں نہیں آسکتا[(4)]

دوسرا قانونی اصول:

الاصل فى الاشياء والافعال اِلا باحسة[(5)]

---

(1)القصص:59/28

(2)التشریع الجنائی،ج1،ص118

(3)سورۃ النساء:23/4

(4)التشریع الجنائی،ج1،ص115

(5)اندلسی، علی بن احمد بن سعید، (2008ء)، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الافاق الجدیدہ بیروت، ج1، ص130

چیزوں اور اعمال میں بہترین کے سوائے کچھ نہیں ہے۔

تیسرا قانونی اصول:

ماضی میں کیے گئے وہ جرائم جو اس وقت سرزد ہوئے کہ جب اُن کے جرم ہونے سے متعلق احکامات نہیں آئے تھے احکامات کے آنے کے بعد ان پر بھی سزا نہیں دی جاسکتی۔

القاعده العامة فى الشريعة الاسلامية ان النصوص الجنائية لاتسرىٰ اِلا بعد صرورها وعلم الناس بها[1]

اسلامی شریعۃ کا عام اصول ہے کہ عام لوگوں جرم و سزا کے متعلق آگاہ کیے بغیر سزا نہیں دی جاسکتی۔

واضح طور پر کسی شخص کو اس کے جرم پر اس وقت سزائیں دی جاسکتی جب تک اس کے فعل کو ارتکاب سے قبل جرم قرار نہ دیا گیا ہو۔ کسی غیر نافذ شدہ قانون یا غیر اعلان شدہ قانون کی خلاف ورزی جرم نہیں تمام احکامات ربانی میں جرائم اور گناہوں کو واضح کیا گیا ان پر ان پر عملدرآمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کروایا اور کسی سابقہ گناہ پر سزا نہیں دی گئی۔ اور اس بات پر سختی سے عملدرآمد ہوا کوئی کام جرم یا گناہ نہیں قبل اس کے کہ اس کو کرم یا گناہ قرار دے دیا گیا ہو اور اس کے کرنے والے کو کبھی بھی سزا نہیں دی گئی۔ اگر کسی کام کو گناہ یا جرم قرار دے دیا گیا اور کچھ لوگوں نے لاعلمی میں ارتکاب کر لیا تو بھی ان کے لیے کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی۔ اس لیے ان تمام امور کو استثناء مل گیا۔ جو ماضی میں عہد جہالت میں کیے گئے۔

چوتھا اصول: ارتکاب کی جگہ۔

ارتکاب جرم کی جگہ بھی اسلامی شریعت کا ایک اہم اصول ہے اگر ایک شخص کوئی فعل یا ترک فعل جیسے جرم قرار دیا جاچکا ہو ایسے علاقے میں کرے ہو اسلامی سلطنت کا قانونی حصہ تصور میں ہوا۔ صرف اسلامی قوانین کو مدنظر رکھ کر اس کو سزا نہیں دی جاسکتی مسلمان فقہاء نے بنیادی طور پر جگہ یا علاقے کو دو اقسام میں بیان کیا گیا ہے۔

---

(1) التشریع الجنائی: ج1، صفحہ 261

کیونکہ جرائم پر اسلامی احکامات کے مطابق سزادینا اسلامی ریاست کی عدالتوں کا حق ہے اور وہ صرف اسی وقت سزادے سکتی ہیں جب وہ ان کے علاقہ اختیار میں جرم کے مرتکب ہوئے ہوں وہ جرم جو اسلامی ریاست سے باہر ہوا مسلمان عدالتیں نہ تو سماعت کا اختیار رکھتی ہیں نہ سزادینے کا بہت سے مسلم فقہانے اس پہ روشنی ڈالی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی رائے:

امام ابو حنیفہ کے مطابق وہ تمام افعال جو جرم قرار دیئے جاچکے ہیں ان کا ارتکاب اسلامی ریاست کی حدود کے اندر مسلمان یا غیر مسلم (ذمی) کرے گا وہ قابل سزاہو گا۔اس لیے کہ ان افعال کو جرم کادرجہ دے دیا گیا ہے مسلمانوں کواس لیے سزادی جائے گی کہ وہ اسلامی شرعی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں جبکہ انہیں اصلاحی احکامات وشعائر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھااور غیر مسلمانوں کو اس لیے سزادی جائے گی کہ انہوں معاہدے کے تحت اسلامی قوانین پر عملدرآمد پر رضامندی ظاہر کر رکھی ہے۔اور اسلامی ریاست کی حدود سے باہر کیا گیا اس پر سزا نہیں دی جائے گی اور اس معاملے میں ان کے مذہب کو بھی بالائے طاق رکھا جائیگا۔کیونکہ ارتکاب جرم کے وقت وہ اسلامی ریاست کے قانونی حدود سے باہر تھا۔[1]

امام ابو یوسف کی رائے:

امام ابو یوسف جو امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد تھے کی رائے میں ایک تیسری قسم (مستامن) کی ہے مستامن سے مراد وہ شخص جو مسلمان ریاست میں جز وقتی رہائش کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مسلمان ریاست کے اندر مسلمان، ذمی یا مستامن تمام کو جرائم پر اسلامی قانون کے مطابق سزا ملے گی،اس کے علاوہ دونوں فقہاء کی رائے یکساں ہے کہ اسلامی ریاست کی قانونی حدود کے باہر کیا جانے والے جرم پر سزا نہیں دی جاسکتی۔[2]

مالکی شافعی اور حنبلی نقطۂ نظر:

امام مالک کی رائے میں اسلامی ریاست کی قانونی حدود کے اندر مسلمان ذمی اور مستامن تینوں کو ان کے جرائم کے مطابق اسلامی قانون کو مد نظر رکھتے ہوئے سزادی جائے گی لیکن اگر کوئی جرم اسلامی ریاست سے باہر ہوا تو مسلمان اور ذمی کو پھر بھی

---

(1)بدائع الصنائع،ج7،ص131

(2)بدائع الصنائع،ج7،ص131

اسلامی قانون کے مطابق سزا دی جائے۔جب کہ مستامن کو صرف اس صورت میں سزا دی جائے گی جب وہ جرم اس سے اسلامی ریاست کے اندر ہوا ہو مسلمان اور ذمی دونوں کو سزا ملے گی خواہ جرم دار السلام ہو یا دار الحرب میں۔[1]

جرم اور گناہ میں فرق:

مسلمان فقہاء نے جرم اور گناہ میں تمیز ذیل اصول پر قائم کی۔" اگر غیر قانونی کام بیان کی گئی شرائط پر پورا اترتا ہے تو وہ جرم ہے اگر یہ اسلامی ریاست کی قانونی حدود سے باھر سرزد ہوتا ہے تو یہ گناہ ہے"۔[2]

مزید یہ کہ ہر گناہ جرم نہیں ہوتا بلکہ ہر جرم گناہ ہوتا ہے کیونکہ یہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہوتا ہے۔

مادی عناصر:

قانونی عناصر کے بعد کچھ مادی عناصر جن کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

تکمیل جرم:

شریعت کی متعین کردہ سزائیں صرف اُن جرائم پر ہی دی جاتی ہیں جو جرائم ممکن ہوں جرائم کی دو اقسام ہیں۔

1۔ مکمل جرائم 2۔ نامکمل جرائم

حدود و قصائص کی سزائیں مکمل جرائم پر دی جاتی ہیں جبکہ نامکمل جرائم پہ تعزیرات اور دیت کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ نامکمل جرم جسے جرم کی کوشش کہا جاسکتا ہے۔یہ جرم تب ہی کہلا سکتا ہے جب یہ مکمل ہو اور اس جرم کے نتائج برآمد ہوں۔اس لیے تمام غیر نتائج یافتہ غیر قانونی کام جرم کی کوشش ہوتے ہیں انہیں اصلی جرائم کی طرح نہیں لیا جاسکتا۔[3]

جرم کی کوشش:

اسلامی سزائیں یعنی حدود و قصاص صرف جرم کی تکمیل پر دی جاسکتی ہیں جرم کی کوشش پر نہیں۔

---

(1)مالک بن انس،امام،(س۔ن)،المدونہ،دار الترث العربی بیروت،ج16،ص91

(2)ابن قدامہ،عبداللہ بن محمد،(1417ھ)،المغنی،دار عالم الکتب بیروت،ج10،ص537

(3)التشریع الجنائی،ج1،ص343

جس کسی نے حد کی سزا دی اس جرم پر جو کہ حدود کے زمرے میں نہیں آتا وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔[1]

اسلام کا فلسفہ سزا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فطرت وحی پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا

﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وحی آئی ہے تمہارے دلوں کے امراض کے لیے شفا ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے رہنمائی ہے اور رحمت ہے۔

ان آیات میں قرآن کریم کے احکامات کی چار بڑی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

موعظۃ موثر نصیحت:

قرآن نے کسی کو ناقابل عمل نصیحتیں نہیں کیں اور نہ ہی بے نتیجہ باتیں ارشاد فرمائیں قرآنی دستور کا قابل عمل ہوتا اس کو علم و فلسفہ کی دوسری کتابوں سے ممتاز کرتا ہے۔ "انسانی ہدایت کے لیے قرآن کا نقطۂ نظر بڑا وسیع ہے اور وہ انسان مسائل کے حل کے لیے عملی حل مہیا کرتا ہے۔

شفاء:

قرآنی علوم کا بڑا مقصد نسل انسانی کو روحانی اور جسمانی امراض سے شفا بخشتا ہے یہ نہ صرف جسمانی بیماریوں کو شفا بخشتا ہے۔ بلکہ روحانی امراض سے بھی چھٹکارا دیتا ہے۔ لیکن زیادہ زور روحانی امراض کے علاج پر دیتا ہے۔ قرآن کریم کو جو بھی دل سے پڑھتا ہے اس کا دل بھی حسد، کینہ، لالچ، دھوکہ جیسی قلبی بیماریوں سے پاک ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرآن منافقت کو زہر قرار دیتا ہے۔ آج جبکہ نسل نو کے قلوب کو حرص وہوس نے بالکل سیاہ کر دیا ہے اور دیگر تمام علاجاپنی افادیت کھو چکے ہیں قرآن اِن تمام روحانی مسائل کے حل کا بڑا جامع حل پیش کرتا ہے۔

---

(1) سرخسی، شمس الدین، (1409ھ)، المبسوط، دارالمعرفہ بیروت، ج24، ص311

(2) یونس: 57/10

ہدایۃ رہنمائی:

قرآن بنیادی طور پر نسل انسانی کی رہنمائی کی کتاب ہے بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو انسانی ہدایت کا دعویٰ کرتی مگر قرآن کا اسلوب اور اثر پذیری سب سے جداگانہ ہے۔

رحماء رحم اور نعمت:

قرآن کریم ان تمام لوگوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے جو اس کے احکامات کو تسلیم کرتے ہوئے اِن پر عمل بھی کرتے ہیں، یہ تمام خصوصیات انسانی اقدار کی ترویج اور ترقی کے لیے بہت ضروری ہیں اسلام کے نظریۂ سزا میں یہی منطق کارفرما ہے۔ اسلامی سزائیں معاشرے میں دہشت پھیلانے کے لیے نہیں بلکہ معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کیلئے عطا کی گئیں اسلام کا تصور سزا مغرب کے تصور سزا سے کہیں زیادہ اعلیٰ ارفع ہے۔اسلام کے فلسفہ سزا کو چار عنوانات کے مطالعہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

1۔فلسفہ مقصدیت 2۔فلسفہ تنفیذ 3۔فلسفہ شدت 4۔فلسفہ تاثیر

فلسفہ مقصدیت:

اسلام کے فلسفہ سزا کا بنیادی مقصد بنیادی انسانی اخلاق کی ترویج ہے اور ان کی خلاف ورزی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔اسلامی سزاؤں کی خصوصیات بہت زیادہ جامع ہیں کہ یہ کسی بھی سیکولر نظام کے مقابلے میں کہیں طاقتور ہیں۔

فلسفہ تنفیذ:

اسلامی نظریہ سزا کا بنیادی مقاصد محض سزا دینا نہیں ہے بلکہ معاشرے میں جرم کا سبب بننے والے عناصر کی نشاندہی اور سدباب ہے کیونکہ نظام عدالت وانصاف صرف اسی طور پر بارآمد ہو سکتا ہے جب معاشرے میں جرائم کے پھیلاؤ کا باعث بننے والے عناصر کی سرکوبی ہو گی۔مثال کے طور پر قرآن پاک میں حکم ہے کہ:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰی﴾ (1)

اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو۔

(1)الاحزاب:33/33

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (1)

مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔

فلسفہ شدت:

عام طور پر مغربی فلاسفر ز کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلامی سزاؤں کی بنیاد شدت پر رکھی گئی ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی سزائیں غیر انسانی اور ظالمانہ ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سزائیں پرانے طور کے لحاظ سے تھیں جدید دور میں ایسی سزاؤں کا قیام درست نہیں ہے۔ جس طرح کہ چور کے ہاتھ کاٹ دینا، زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنا وغیرہ جبکہ اسلامی سزاؤں کے مکمل مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی سزائیں غیر انسانی ہیں اور نہ ہی ان میں ظلم کا عنصر پایا جاتا ہے بلکہ اسلام نے سزاؤں کا جو نظام وضع کیا ہے وہ اپنی دنیا تک کے انسانوں کے لیے موزوں ترین اور مناسب ترین ہے۔

فلسفہ تاثیر:

اسلام کا پیش کردہ نظام جرم وسزا ہر حوالے سے موثر نتائج کا حامل ہے۔ اس تفصیلاً اثر یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ میں رہنے والا ہر شخص اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو محفوظ سمجھتا ہے کیونکہ اسلامی قوانین کا موثر نفاذ اُن تمام امور کی ضمانت فراہم کرنا ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ اور اسلامی سزاؤں کے نفاذ کا ایک اور عملی پہلو یہ بھی ہے کہ معاشرہ اخلاقی طور پر درست سمت کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور معاشرتی طور عوام الناس امن وامان اور خوشحالی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

نظام عدل کی تاریخ یوں تو صدر پرانی ہے مگر اسلامی نظام عدل تمام کے نظام ہائے عدل سے افضل و برتر ہے کیوں کہ اس نظام کے اصول و ضوابط خدائی ہیں اور یہ معاشرے کے تمام افراد کے ساتھ یکساں اور مساوی سلوک کرتا ہے۔ اصل قانون اللہ کا نازل کردہ ہے اور اسی کے مطابق عدل وانصاف یعنی فیصلے ہونے چاہییں۔ اس سے ہٹ کر کوئی قانون افضل و برتر نہیں ہے ۔اور انسان اسی صورت معاشرے کے اندر سکون سے رہ سکتا ہے جب اس کے ساتھ عدل ہو کوئی ظلم یا زیادتی نہ ہو۔ نظام عدل کی ابتداء تب سے ہے جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا اور ظلم و زیادتی سے دوسرے کا حق غصب کیا ہو۔ سب سے پہلا

---

(1)النور:64/24

جھگڑا آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے درمیان ہوا۔ایک نے دوسرے سے زیادتی کا بدلہ لیا اور خود ہی انصاف حاصل کیا۔اور یہ طریقہ صدیوں رائج رہا کہ انسان اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ خود ہی لے لیتا تھا اس طرح ناانصافی ہونے کا احتمال بھی رہتا تھا کیوں کہ فریق ثانی سے یہ بعید نہیں تھا کہ وہ تجاوز نہ کرے گا۔اسلام کے نظام عدل کی اہم ترین خصوصیت اس کی صفت دوام بھی ہے کہ یہ ہر زمانے،ملک و خطہ کے لیے یکساں مفید ہے اور اس کے تعلق کسی خاص زمانے سے بھی نہیں ہے بلکہ یہ زماں و مکان کی قید سے آزاد ہے۔قیامت تک آنے والے آخری انسان کے لیے یہ اصول و ضوابط بہترین اور قابل عمل ہیں۔اسلام مساوات کا علمبردار ہے۔یہ معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کو یکساں اہمیت دیتا ہے لہذا اسلامی قانون میں ریاست کا طاقتور اور کمزور برابر ٹھہرتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام انصاف کی بنیاد کوف خدا تصور آخرت پر ہے۔اسلام جرم ثابت ہونے پر مجرم کے ساتھ کسی قسم کی رورعایت کا قائل نہیں ہے کیونکہ اس طرح نظام عدل میں خلل پڑتا ہے اس سلسلے میں اسلام نے جو مصلحت پیش نظر رکھی ہے وہ عبرت ناک سزائیں ہیں کیونکہ سزا یافتہ شخص جب مسلم معاشرے میں چلے پھرے گا تو اس کا حشر دیکھ کر لاکھوں انسان چوری سے باز آجائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆